قرآنی امثال اور ان کے مقاصد

سید ثمر علی نقوی[1]

مقدمہ

قرآن مجید ایسا بحر بیکراں ہے کہ جس کی تہ تک کوئی غواص پہنچ نہیں سکتا لیکن اس کے باوجود ہر غواص اپنی وسعت وجودی کے مطابق اس میں غوطہ زن ہو کر اپنی سعادت و ہدایت کے موتی اس سے حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن مجید ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جس میں انسان کی دنیاوی و اُخروی زندگی کے سعادت مندانہ اصول کامل طور پر ہر طبقہ فکر کے افراد کے لیے موجود ہیں۔ خالق کائنات نے اپنی مخلوقات کی رہنمائی کے لیے اس کتاب ہدایت میں ہر سطح فکر کے اشخاص کا لحاظ رکھتے ہوئے جہاں عقلی استدلال سے پُر آیات ذکر فرمائی ہیں، وہیں قصص و تمثیلات کے ذریعے اعلیٰ و ارفع مطالب کو سلیس کر کے بیان فرمایا ہے، تاکہ یہ نورانی آیات ہر دل کی گہرائی میں جا کر اسے تاریکیوں سے نجات دلا سکیں۔ قرآن مجید میں تمثیلات اور امثال کے ذریعے بھی مطالب عالیہ کو بیان کیا گیا ہے، جن کے مقاصد کو اس مقالے میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے: لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ[1] یعنی: "ہم اگر اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تم دیکھتے کہ پہاڑ خوف خدا سے لرزاں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور ہم ان مثالوں کو انسانوں کے لیے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ شاید وہ کچھ غور و فکر کر سکیں۔" قرآن مجید کی سورہ یونس میں انسانی زندگی کو ایک تمثیل کے ذریعے بیان کرنے کے بعد خدا فرماتا ہے کہ اس تمثیل کا مقصد انسانی افکار کو بیدار کرنا ہے: إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّى إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلاً أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ[2] یعنی: "زندگانی دنیا کی مثال صرف اس بارش کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا پھر اس سے مل کر زمین کی وہ نباتات برآمد ہوئیں جن کو انسان اور جانور کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب زمین نے سبزہ زار سے اپنے کو آراستہ کر لیا اور مالکوں نے خیال کرنا شروع کر دیا کہ ہم اس زمین کے صاحب اختیار ہیں تو اچانک

1۔ مدرس جامعۃ الرضا، مسئول شعبہ تبلیغات نور الھدیٰ ٹرسٹ۔ اسلام آباد

ہمارا حکم رات یا دن کے وقت آگیا اور ہم نے اسے بالکل کٹا ہوا کھیت بنا دیا، گویا اس میں کل کچھ تھا ہی نہیں، ہم اس طرح اپنی آیتوں کو مفصل طریقہ سے بیان کرتے ہیں، اس قوم کے لیے جو صاحب فکر و نظر ہے۔

اس آیہ مجیدہ میں دنیوی زندگی کی کتنی حسین تصویر کشی کی گئی ہے کہ خشک زمین پر پانی برسا ہے اور سبزہ لہلہا رہا ہے۔ سبزیاں پیدا ہو رہی ہیں اور انسان و جانور مزے اڑا رہے ہیں اور زمین ایک عروس کی طرح بن سنور کر پھولوں اور سبزیوں سے لدی ہوئی ہر طرح کے تصرف کے لیے تیار ہے اور انسان ایک تازہ شوہر کی طرح لذت اندوزی کے لیے آمادہ ہے کہ اچانک بلا نازل ہو گئی اور سارے مزے ہرن ہو گئے اور صرف حساب باقی رہ گیا۔[3]

قرآن مجید کے بارے میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں: کتاب ربکم فیکم مبینا حلاله و حرامه و فرائضه و فضائله و ناسخه و منسوخه و رخصه و عزائمه و خاصه و عامه و عبره و امثاله۔[4] یعنی: تمہارے پروردگار کی کتاب تمہارے پاس ہے، جو حلال و حرام، واجبات و مستحبات، ناسخ و منسوخ، رخص و عزائم، خاص و عام اور عبر و امثال کو بیان کرنے والی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام ایک بیان میں قرآنی مطالب کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں: نزل القرآن اربع ارباعا، ربع فینا و ربع فی عدونا و ربع سنن وامثال و ربع فرائض واحکام۔[5] یعنی: "قرآن چار حصوں میں نازل ہوا ہے۔ اس کا ایک حصہ ہمارے حق میں ہے اور دوسرا ہمارے دشمنوں کے بارے میں۔ تیسرا حصہ امثال اور سنن الٰہی پر مشتمل ہے، جب کہ چوتھا حصہ فرائض واحکام کا ہے۔"

یہاں پر ہم سب سے پہلے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ مَثَل کیا ہے؟ اور قرآن میں مَثَل و امثال کس معنی میں استعمال ہوئی ہیں، پھر اس مطلب کی تحقیق کریں گے کہ امثال کے ذکر کرنے سے قرآن حکیم کا مقصود کیا ہے؟ آخر میں قرآنی امثال کے چند نمونے پیش کریں گے تاکہ اس موضوع کو قرآن کے ذریعے واضح کر سکیں۔

مَثَل کا معنی

مَثَل کے مختلف معانی بیان ہوئے ہیں: مانند، شبیہ، صفت اور عبرت۔ یعنی گزرے ہوئے انسانوں کے حال سے عبرت و نصیحت۔[6] البتہ بعض معانی اصلی اور بعض استعارے ہیں اور کبھی ایک خاص اصطلاح میں تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ لفظ مَثَل بمعنی تشبیہ اہل لغت کے ہاں زیادہ مستعمل ہے۔[7] مِثل و مَثَل قرآن مجید میں صرف ایک معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی دو چیزوں کا ایک دوسری کے مشابہ ہونا اور اگر لفظ مثیل کو بھی ان دو کے ساتھ ملا دیں تو ان تینوں الفاظ کا ایک ہی معنی ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ لغت عرب میں مادہ شبہ کے بھی تین الفاظ ہیں جو ان تین کے ہم وزن اور ہم معنی ہیں جیسے شِبہ، شَبَہ اور شبیہ۔ یہ سب (چھ الفاظ) ایک ہی معنی (دو چیزوں کا آپس میں مشابہ ہونے) میں استعمال ہوتے ہیں۔[8] بعض آیات میں یہی معنی آیا ہے: وَهُوَ

الَّذِی یَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَیْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَى فِی السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ [9] یعنی: "اور وہی ہے جو خلقت کی ابتدا کرتا ہے اور پھر دوبارہ بھی پیدا کرے گا اور یہ کام اس کے لیے بے حد آسان ہے اور اس کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں سب سے بہترین مثال ہے...۔"

قرآن مجید سابقہ امتوں پر نازل ہونے والے عذابوں کو مثلات سے تعبیر کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ۔ [10] یعنی: "ان سے پہلے عبرت انگیز عذاب نازل ہو چکے ہیں۔" اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک عذاب ایسے اعمال وافعال کے آگے بند بن سکتا ہے جو اس عذاب کے مشابہ عذاب کا موجب بنتے ہیں۔ بنا بر اس لغت میں مَثَل کا جو معنی بھی ہو، وہ تشبیہ اور تنظیر کی طرف ہی پلٹے گا۔ البتہ بعض علماء کی رائے کے مطابق بعض دفعہ وصف کے معنی میں آتا ہے، لیکن بہت کم ہے۔ علوم قرآن کے ماہر زرکشی لکھتے ہیں کہ اہل لغت کا ظاہری نظریہ یہ ہے کہ مَثَل کا معنی وصف بھی ہے۔ حالانکہ ابو علی فارسی (متوفی ۳۷۷ھ) اس کے منکر ہیں اور قائل ہیں کہ اس لفظ کا معنی ایک سے زیادہ نہیں اور وہ تمثیل ہے۔ [11] یہ علماء اپنے نظریے کی تائید میں درج ذیل دو آیات سے استدلال کرتے ہیں:

۱۔ مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ وَالَّذِینَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا سِیمَاهُمْ فِی وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْإِنجِیلِ [12] یعنی: "محمد (ص) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لیے سخت ترین اور آپس میں انتہائی رحمدل ہیں، تم انہیں دیکھو گے کہ بارگاہ احدیت میں سر خم کیے ہوئے سجدہ ریز ہیں اور اپنے پروردگار سے فضل و کرم اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں، کثرت سجود کی بنا پر ان کے چہروں پر سجدہ کے نشانات پائے جاتے ہیں، یہی ان کی توصیف توریت میں ہے اور یہی ان کی توصیف انجیل میں ہے...۔" اس آیہ مجیدہ میں مَثَل توصیف کے معنی میں استعمال ہوا ہے، نہ کہ تمثیل و تشبیہ کے معنی میں۔

۲۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِی وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِیهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَیْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِن لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِینَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى۔ [13] یعنی: "اس جنت کی صفت جس کا صاحبان تقویٰ سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جس میں کسی طرح کی بو نہیں ہے اور کچھ نہریں دودھ کی بھی ہیں جن کا مزہ بدلتا ہی نہیں اور کچھ نہریں شراب کی بھی ہیں جن میں پینے والوں کے لیے لذت ہے اور کچھ نہریں صاف و شفاف شہد کی ہیں۔" اس آیہ مجیدہ میں بھی لفظ مَثَل توصیف اور صفت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور بہشت موعود کی صفت وہ چار نہریں ہیں، جن کی خصوصیات اس آیت میں ذکر کی گئی ہیں۔ آیت اللہ سبحانی لکھتے ہیں: لفظ

مَثَل توصیف کے معنی میں ان آیات کے علاوہ بھی آیا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ بات یاد رہے کہ مَثَل کثرت کے ساتھ تشبیہ و تنظیر و تمثیل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور توصیف کے معنی میں بہت کم موارد میں ہے۔[14]

قرآن مجید میں کلمہ مَثَل کے استعمال کے بعض موارد

ا۔ جہاں پر تشبیہ اور تنظیر کی ضرورت ہو۔ ایک موضوع کا سمجھنا آسان نہ ہو اور اس میں مادی اور قابل حس پہلو موجود ہو تو خداوند متعال اس کی تشبیہ لاتا ہے تاکہ سب کے لیے اس کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ مانند آیہ شریفہ: اللّٰہُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ۔[15] یعنی: "اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے، اس کے نور کی مثال اس طاق کی ہے، جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہو اور قندیل ایک جگمگاتے ستارے کی مانند ہو جو زیتون کے بابرکت درخت سے روشن کیا جائے، جو نہ مشرق والا ہو نہ مغرب والا۔"

خالق کائنات نے انسان کو اپنی معرفت کے قریب لانے کے لیے ایک حسی مثال کے ذریعے خود کو نور قرار دے کر ان امور کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نور لطیف ترین اور حسین ترین شئی ہے۔ نور کی رفتار تمام اشیاء سے سریع تر ہے۔ نور ہر شی کے ظہور کا ذریعہ ہے۔ نور موجودات کی بقا کا وسیلہ ہے۔ نور سے رنگوں کی وجودیت وابستہ ہے اور انہی مناسبات سے اسلام نے قرآن، رسول اکرم (ص) آئمہ طاہرین ؑ، ایمان، ہدایت، علم اور مذہب، سب کو نور قرار دیا ہے اور انسان کے لیے ایمان کو چراغ، دل کو فانوس، سینہ کو طاق اور وحی الٰہی کو روغن قرار دیا ہے۔

اس طرح کے تمثیلی نمونے قرآن میں بہت زیادہ ہیں اور مختلف آیات میں بلند پایہ علمی اور تربیتی پہلوؤں کو واضح کرنے کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔

۲۔ مَثَل کا ذکر کسی ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، جس سے قارئین کو متوجہ کرنا اور اس واقعہ و داستان سے پند و نصیحت اور عبرت حاصل کرنا مطلوب ہے مثلاً: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ[16] یعنی: "اور اللہ نے اس قریہ کی بھی مثال بیان کی ہے جو محفوظ اور مطمئن تھا اور اس کا رزق ہر طرف سے باقاعدہ آ رہا تھا، لیکن اس قریہ کے رہنے والوں نے اللہ کی نعمتوں کا انکار کیا تو خدا نے انہیں بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھا دیا، صرف ان کے اعمال کی بنا پر کہ جو وہ انجام دے رہے تھے۔"

اس داستانی مثال کے ذریعے انسانی ضمیر کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ آج اگر انسان بھوک و خوف میں مبتلا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یقیناً انسان نے کفران نعمت کیا ہے تو یہ عذاب نازل ہو گیا ہے۔ بنابریں اگر مالک ذوالجلال

کی عبادت و اطاعت شروع کر دے اور استعمار کی ولایت کی بجائے ابرار کی ولایت کو تسلیم کر لے تو یقینا یہ عذاب بر طرف ہو جائے گا: وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ[17] یعنی: "اور اے رسول (ص) آپ ان سے بطور مثال اس قریہ والوں کا تذکرہ کریں جن کے پاس ہمارے رسول آئے۔" نیز ارشاد فرمایا: ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ۔[18] یعنی: "خدا نے کفر اختیار کرنے والوں کے لیے زوجہ نوح اور زوجہ لوط کی مثال بیان کی ہے کہ یہ دونوں ہمارے نیک بندوں کی زوجیت میں تھیں۔"

ان تمام موارد میں قرآن کریم واقعات کی تفصیلات میں داخل ہوئے بغیر، تشبیہ و تنظیر کی بجائے ایک حقیقت کا دوسری حقیقت کے ساتھ موازنہ کرکے مقام عبرت عطا کرنا چاہتا ہے۔ مذکورہ آیات کی مانند بہت سی آیات میں لفظ مَثَل کے ساتھ ضرب کا لفظ آیا ہے، جسے عرف عام میں ضرب المثل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیا قرآن مجید میں بھی مراد ضرب المثل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ضرب اگر مفرد ہو اور مَثَل کے ساتھ نہ ہو تو 'مارنے' کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے خداوند کریم نے فرمایا: أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ۔[19] یعنی: "اے موسیٰ! اپنے عصا کو پتھر پر مارو۔" لیکن ضرب اور مَثَل ایک ساتھ ہوں تو اس میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں۔ ایک نظریہ کے مطابق ضرب ایسے موارد میں تمثیل کے معنی میں ہے۔

در حقیقت اضرب سے مراد مَثَل (مثال دینا) ہے۔ یعنی مَثّل لھم، مثلًا مراد ہے۔ جیسے يَضْرِبُ اللّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ۔ اللہ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے۔[20] یعنی یمثّل الله الحق و الباطل مقصود ہے۔[21] بعض آیات میں مَثَل بطور مضاف استعمال ہوا ہے۔ جیسے: مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالأَعْمَى وَالأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلاً أ۔۔۔[22] کافر اور مسلمان کی مثال اندھے بہرے اور دیکھنے سننے والے کی ہے تو کیا یہ دونوں مثال کے اعتبار سے برابر ہو سکتے ہیں۔ مَّثَلُ الَّذِينَ كَفَرُواْ بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ۔۔۔[23] جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی ہے جسے آندھی کے دن کی تیز و تند ہوا اڑا لے جائے۔ البتہ قرآن کی تمثیل کبھی کلمہ مَثَل کے علاوہ صرف 'کاف' (کاف تشبیہ و تمثیل) کے ذریعے بھی آئی ہے جیسے: أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ۔[24] یا اس بارش کی مانند جو آسمان سے برسے۔

کبھی یہ الفاظ بھی نہیں ہوتے لیکن عبارت کے سیاق و سباق اور مفہوم سے مَثَل کا وجود نمایاں نظر آتا ہے، جیسے: إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُواْ بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُواْ عَنْهَا لاَ تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلاَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ۔[25] بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور غرور سے کام لیا ان کے لیے نہ آسمان کے دروازے کھولے

جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہو سکیں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر داخل نہ ہو جائے۔ درحقیقت یہ ایک مَثَل ہے، اگرچہ لفظ مَثَل کے بغیر استعمال ہوئی ہے اور یہ اس وقت استعمال ہوتی ہے، جب کسی عمل کے ناممکن ہونے کا اظہار مقصود ہو۔

تمثیلات کی اقسام

مذکورہ بالا مطالب سے واضح ہوا کہ قرآنی مثالوں سے مراد ضرب المثل نہیں، بلکہ تشبیہ و تمثیل مراد ہے۔ یہاں تمثیل کی اقسام کو مختصر طور پر بیان کرنا ضروری ہے تاکہ قرآنی تمثیل کی حقیقت مزید روشن ہو سکے۔

ا۔ تمثیل رمزی

اس سے مراد ایسی داستانیں ہیں جو پرندوں یا نباتات و جمادات (پتھروں وغیرہ) کی زبان حال سے بیان ہوں اور اس سے تربیتی پہلو حاصل کیے جائیں۔ بعض افراد ناآگاہی کی بنا پر قصص قرآنی بالخصوص داستان حضرت آدمؑ اور قصہ ہابیل و قابیل یا داستان حضرت سلیمان کو 'تمثیل رمزی' کے زمرے میں شمار کرنے کے درپے ہیں، حالانکہ اس قسم کی تفسیر قرآنی نص و صراحت کے خلاف ہے،[26] کیونکہ قرآن واضح طور پر فرماتا ہے کہ یہ قصے حقائق غیبی ہیں، جن سے درس عبرت اور موعظہ حاصل کیا جائے: لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى وَلَكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ۔[27] یعنی: "یقینا ان کے واقعات میں صاحبان عقل کے لیے سامان عبرت ہے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں جسے گڑھ لیا گیا ہو بلکہ یہ (قرآن) پہلے کی تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔" قرآن تو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے کہ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى ....۔ یہ کوئی من گھڑت کلام نہیں۔

۲۔ تمثیل داستانی

اس تمثیل سے مراد وہ داستانیں ہیں جو گزشتہ اقوام کے واقعات کو بیان کرتی ہیں تاکہ لوگ ان سے درس عبرت حاصل کریں۔ حقیقت میں یہ ایک قسم کی '' تشبیہ مخفی '' ہے۔ یعنی آئندہ آنے والے لوگوں کی گزشتہ اقوام کے ساتھ تشبیہ کو بیان کرتی ہے۔ تمام قرآنی قصے اس قسم میں سے ہیں۔ارشاد رب العزت ہے: وَضَرَبَ اللهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِندَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ[28] یعنی: "اور خدا نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی زوجہ کی مثال بیان کی ہے کہ اس نے دعا کی کہ اے پروردگار میرے لیے جنت میں گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے کاروبار سے نجات دلا اور ظالم قوم سے نجات دے۔"

۳۔ تمثیل طبیعی

یہ تمثیل در حقیقت غیر محسوس کی، محسوس چیز کے ساتھ 'تشبیہ' ہے، بشر طیکہ 'مشبہ بہ' مخلوق الٰہی میں سے ہو۔ جیسے خدا فرماتا ہے: إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ...۔[29] یعنی: "دنیاوی زندگی کی مثال یقینا اس پانی کی سی ہے، جسے ہم نے آسمان سے برسایا، جس سے زمین کی وہ نباتات برآمد ہو گئیں جنہیں انسان اور جانور کھاتے ہیں، پھر جب زمین سبزے سے خوشنما اور آراستہ ہو گی اور زمین کے مالک یہ خیال کرنے لگے کہ اب وہ اس پر قابو پا چکے ہیں تو (ناگہاں) رات کے وقت یا دن کے وقت اس پر ہمارا حکم آپڑا تو ہم نے اسے کاٹ کر ایسا صاف کر ڈالا کہ گویا کل وہاں کچھ بھی موجود نہ تھا۔"[30]

قرآنی امثال کے فوائد

قرآنی امثال کے چند فوائد بیان کیے گئے ہیں جو ہمارے موضوع کے لحاظ سے مفید ہیں:

1) قرآن کی امثال عظیم معانی کو عوام تک پہنچاتی ہیں۔
2) امثال عالم ملکوت کو عالم ناسوت کے باسیوں کے لیے مجسم کرتی اور ذہن کے قریب لاتی ہیں۔
3) گزشتہ اقوام کی داستان کو لوگوں کے لیے باعث عبرت اور مورد توجہ قرار دیتی ہیں۔
4) وعظ و نصیحت کی تلخی اور خشک پن کو کم کرتی ہیں اور طبیعت کو خوش گوار بناتی ہیں۔
5) امثال عوامی تجربات کا خزانہ ہیں اور حکمت سے پُر ہوتی ہیں۔ قرآن کریم مثالوں کے ساتھ لوگوں سے خطاب کرتا ہے اور گزشتہ اقوام کے تجربات ان کے سامنے پیش کرتا ہے۔[31]

قرآن کریم مختصر کلمات اور اشارات کے ساتھ جو کچھ بیان کرتا ہے، وہ دلوں کو متاثر کرنے والی سب سے زیادہ فصیح گفتگو ہوتی ہے۔ عظیم معانی اور مفاہیم کو سامع کے لیے دل پذیر اور آسان بنانے کی غرض سے مثالوں کا سہارا لینا، ایک احسن امر ہے۔ لہٰذا قرآنی امثال کے بارے میں یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید میں مثالوں کا ذکر اعجاز و بلاغت کے بہترین مظاہر میں سے ہے اور یہ مثالیں بڑے گہرے مطالب کی حامل ہیں اور قرآن کے اسلوب کی زیبائی اور بیان کے فن و ہنر کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ اب اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ لفظ مثل کے ساتھ آئے یا اس کے بغیر ہی کوئی ایسا مطلب بیان کرے جس سے 'تمثیل' مستفاد ہوتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی امثال کی تعداد میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ ۱۵ سے لے کر ۴۹۵ تک کی تعداد ذکر کی گئی ہے۔ یہ اختلاف

اس بنا پر ہے کہ اگر امثال سے مراد فقط وہ مثالیں لی جائیں، جن میں صرف لفظ مثل آیا ہے تو ۱۵ آیات سے زیادہ نہیں، لیکن اگر 'تشبیہ' کو مد نظر رکھا جائے تو ۶۹ آیات سے تجاوز نہیں کرتیں۔[32]

لیکن بعض مفسرین و محققین نے 'امثال قرآنی' کو وسعت دیتے ہوئے بعض ان آیات کو بھی 'امثال' میں شمار کیا ہے، جنہیں لوگ اپنی گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیات کو بھی 'امثال' کے ضمن میں شمار کیا ہے۔

۱۔ لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ ... [33]

۲۔ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ... [34]

۳۔ قُضِيَ الأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ ...۔ [35]

اس بنا پر 'امثال قرآن' کے موئف محترم نے قرآنی امثال کی تعداد ۲۴۵ ذکر کی ہے اور قائل ہیں کہ یہ امثال مختلف ادوار میں عوام الناس کی زبان پر جاری رہی ہیں اور مثل کی حالت اختیار کر چکی ہیں۔[36] اسی نظریہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ڈاکٹر صغیر نے بڑے تتبع اور تفحص کے ساتھ امثال قرآنی کی امثال کو جمع کیا تو ان کی تعداد ۴۹۵ بیان کی اور لکھا کہ یہ آیات ایسی ہیں جو عوام الناس میں 'امثال' کا درجہ رکھتی ہیں اور آج تک لوگ انہیں مثل کے عنوان سے استعمال کرتے آئے ہیں۔[37]

امثال قرآن کی خصوصیات

۱۔ قرآن کریم اگرچہ بعض موارد میں مثل کے 'فعل' کو استعمال کرتا ہے لیکن مجموعاً یہ مقدار کم ہے۔ کبھی یہ امثال کلمہ مثل کے ساتھ آئی ہیں اور دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ امثال کی یہ قسم کئی مقامات پر 'مثال دینے' ضرب کی تعبیر کے ساتھ ذکر ہوئی ہیں۔ چاہے وہ ماضی کی صورت میں ہو یا مضارع اور امر کی شکل میں نیز یہ کبھی معلوم اور کبھی مجہول استعمال ہوئی ہیں۔ جیسے: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً...۔[38] اللہ نے مثال دی۔ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ...۔[39] اللہ مثال دیتا ہے۔ وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلاً ...۔[40] ان لوگوں کو مثال دیجیے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ ...۔[41] اے لوگو! تمہارے لیے مثال دی گئی ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ خداوند کریم نے ان مثالوں کی نسبت اپنی طرف دی ہے، جب کہ انجیل جیسی کتب میں بیشتر مثل کی نسبت حضرت عیسیٰ (ع) کی طرف دی گئی ہے اور یہ فرق قرآن حکیم اور دیگر آسمانی کتب میں واضح طور پر پایا جاتا ہے۔[42]

۲۔ قرآنی امثال واضح انداز میں ہیں، جب کہ دیگر کتب آسمانی میں عموماً استفہامی انداز اختیار کیا گیا ہے اور بعض اس قدر پیچیدہ ہیں کہ مخالفین کو ان کے معانی کے بارے میں سوال کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ قرآنی امثال میں خرافات نہیں، جب کہ زمانہ جاہلیت کے عرب کی امثال میں خرافات کی بہتات ہے اور باطل امور بہت زیادہ ہیں۔ البتہ عہد قدیم میں بھی انحرافی امثال موجود ہیں، جن کی طرف بعض محققین نے توجہ دلائی ہے۔[43]

۴۔ امثال قرآن میں اخلاقی و معاشرتی حقائق کو محسوسات کے قالب میں ڈھال کر ایک مجسم صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ جب کہ عام علماء و ادباء کے امثال میں زیادہ تر تخیلاتی پہلو ہوتے ہیں اور ممکن ہے حقیقت کا ان سے کوئی تعلق نہ ہو۔

۵۔ قرآنی امثال بڑے لطیف اور تربیتی نکات پر مشتمل ہوتی ہیں، جب کہ بعض کتابوں حتیٰ کہ عہدین کی کتب میں بیان شدہ امثال جنسی مسائل کے ہمراہ لطافت سے خالی اور انبیا علیہم السلام کی عظمت کے خلاف ہیں۔

قرآنی امثال کے مقاصد

ا۔ ہدایت بشر: خداوند متعال نے قرآن مجید کو بنی نوع انسان کے لیے ہدایت کا سرچشمہ بنا کر نازل فرمایا ہے۔ یہ عظیم کتاب، جہاں برہان و جدال احسن اور موعظہ حسنہ کے ذریعے انسان کی ہدایت کرتی ہے، وہیں امثال کے ذریعے بھی ہدایت کے عملی اصول بیان کرتی ہے۔ قرآنی امثال کا مرکزی نقطہ ارشاد و ہدایت ہے۔ ارشاد رب العزت ہے: إِنَّ اللهَ لاَ يَسْتَحْيِي أَن يَضْرِبَ مَثَلاً مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُواْ فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُواْ فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللهُ بِهَـذَا مَثَلاً يُضِلُّ بِهِ كَثِيراً وَيَهْدِي بِهِ كَثِيراً وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلاَّ الْفَاسِقِينَ[44] یعنی: "اللہ مچھر یا اس سے بھی زیادہ (چھوٹی) چیز کی مثال پیش کرنے سے ذرا نہیں شرماتا، پس جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ (مثال) ان کے پروردگار کی جانب سے برحق ہے، لیکن کفر اختیار کرنے والے کہتے رہیں گے کہ اس مثال سے اللہ کا کیا مقصد ہے؟ اللہ اس سے بہت سوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت کرتا ہے اور وہ اس کے ذریعے صرف بداعمال لوگوں کو گمراہی میں ڈالتا ہے۔"

اس آیہ مجیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایک مثال کئی پہلوؤں پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ مثال کے اندر تربیتی و اخلاقی نکات کے علاوہ خود مثال کا انداز بھی اضلال و ہدایت کا حامل ہو سکتا ہے البتہ مثال اپنے مقصود کے موافق ہونی چاہیے اور یہ محسوس مثال، معقول حقائق کے عین مطابق اور مناسب ہونی چاہیے۔ مثلاً بعض اوقات کسی کے ضعف و ناتوانی کو بیان کرنے کی غرض سے خداوند حکیم اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا

النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا...۔[45] یعنی: "اے لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے، اسے سنو! اللہ کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بنانے پر بھی ہر گز قادر نہیں، خواہ اس کام کے لیے وہ سب جمع ہو جائیں اور مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو یہ اس سے اسے چھڑا بھی نہیں سکتے، طالب و مطلوب دونوں ناتوان ہیں...۔"

یہاں ان لوگوں کو پست دکھانے کے لیے مکھی سے بہتر کوئی مثال نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے کہ مدد طلب کرنے والے اتنے بے بس ہیں کہ بے جان یا ناتوان اشیاء کا سہارا لینے پر بھی راضی ہو گئے ہیں اور جن سے مدد طلب کی جاتی ہے، ان کی بے بسی کا یہ عالم کہ کمزور ترین مخلوق مکھی کے سامنے بھی بے بس ہیں۔ اس طرح ان کا حال یہ ہے کہ خود بھی کمزور ہیں اور ان کی امیدوں کا مرکز بھی کمزور ہے۔ بت پرستوں کے بارے میں جو کہ بتوں کو اپنا ملجا و ماویٰ سمجھتے ہیں، خدا نے ان کی پست فکر کو مجسم کرنے کے لیے عنکبوت کی مثال دیتے ہوئے فرمایا ہے: مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ...۔[46] یعنی: "جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی بنایا ہے، ان کی مثال اس مکڑی کی سی ہے جو اپنا گھر بناتی ہے اور گھروں میں سب سے کمزور یقینا مکڑی کا گھر ہے، اگر یہ لوگ جانتے ہوتے...۔"

آیت اللہ مکارم لکھتے ہیں: "بہت واضح ہے کہ اگر یہاں پر ان چھوٹے موجودات کی بجائے آسمان و زمین کی مثال دی جائے تو بالکل نامناسب ہو گا اور کسی صورت میں فصاحت و بلاغت کے اصولوں کے مطابق نہ ہو گا۔"[47] قرآنی مثالیں عقلی اصولوں کے عین مطابق ہیں، لیکن نور مطلق (خدا) کا انکار کرنے والے عقل کی روشنی سے بھی بے بہرہ ہونے کی وجہ سے ایسی مثالوں پر زبان اعتراض بلند کریں گے۔ للذا خدا فرماتا ہے کہ ایک مثال بھی ہدایت یا ضلالت کا موجب بن سکتی ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خداوند کریم تو ہادی بشریت ہے، کس طرح بعض لوگوں کو گمراہ کرتا ہے؟ يُضِلُّ بِهِ كَثِيْرًا۔ جواب کی وضاحت کے لیے ضلالت کی حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے اضلال (گمراہ کرنا) دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک ابتدائی طور پر گمراہ کرنا اور دوسرا اپنے اختیار سے گمراہی کسب کرنے والوں کو سزا کے طور پر گمراہی سے نہ نکالنا اور اسے گمراہی میں پڑے رہنے دینا، جسے اضلال سزائی یا مجازاتی کہتے ہیں۔ اس طرح ہدایت بھی ابتدائی اور جزائی میں تقسیم ہوتی ہے۔ خداوند متعال کسی انسان کو ابتدائی طور پر ہر گز گمراہ نہیں کرتا۔ ہاں اگر کوئی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہدایت و رہنمائی کی تمام تر تعلیمات کا انکار کرتے ہوئے گمراہی پر ڈٹا رہے تو خداوند حکیم اُسے سزا کے طور پر گمراہی پر باقی رکھتا ہے۔ البتہ ہدایت، ابتدائی طور پر بھی خدا کی جانب سے ہے اور ہدایت کو قبول کرنے کے اجر و جزا کے طور پر بھی خدا کی ہی جانب سے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

بنابرایں اس آزمائش و امتحان میں صاحبان ایمان کامیابی کے ساتھ راہ ہدایت پر قائم رہتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کا ایمان ہے کہ مچھر یا اس سے بھی کم تر مخلوقات، خالق کی عظمت پر اسی طرح دلالت کرتی ہیں جس طرح بڑی مخلوقات۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مچھر کی مثال کیوں دی ہے؟ فرمایا: خدا نے اس کی مثال اس لیے دی ہے کہ اگرچہ یہ چھوٹا سا موجود ہے، لیکن ساخت و ساز میں بڑے سے بڑے موجود، ہاتھی جیسی خلقت کا حامل ہے۔ علاوہ بریں اس کے دو اعضائ، شاخ (نازک سینگ) اور پَر ایسے ہیں جو فیل میں بھی موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مومنین کے لیے اپنی خلقت کی لطافت کو بیان کرے۔[48]

۲۔ روحانی حقائق کو محسوس قالب میں ڈھالنا

خداوند متعال کے لطف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر سطح فکر کے مالک بندے تک اپنی ہدایت کا پیغام پہنچا دے۔ عام انسان چونکہ محسوسات سے زیادہ مانوس ہوتا ہے اور پیچیدہ قسم کے فلسفی اور علمی افکار سے کسی حد تک فاصلہ رکھتا ہے، یہ حسی مثالیں ان علمی افکار کے فاصلوں کو کم کرنے میں معاون ہوتی ہیں اور ان معقولات کو محسوسات کے لباس میں پیش کرتی ہیں تا کہ سادہ اذہان کے مالک افراد کے لیے بھی ان بلند پایہ مطالب کو دلچسپ، شیرین اور قابل ادراک بنا دیں۔ مثال، ایک مطلب کو واضح کرنے اور مقصود متکلم کے مطابق لانے کے لیے بعض اوقات اسی بلند مطلب کو آسمان سے زمین تک لے آتی ہے اور سب کے لیے قابل ادراک بنانے میں معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ 'مثال' مختلف علمی، اجتماعی، تربیتی اور اخلاقی مباحث کے بیان کرنے میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔

۳۔ انسان کو تفکر اور غور و فکر پر ابھارنا

اسلامی تعلیمات میں 'عقل' کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ احادیث میں اسے حجت الٰہی اور رسول باطن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر قرآن و احادیث میں تعقل و تفکر کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے، کیونکہ تفکر سے عقل انسانی کی پرورش ہوتی ہے۔ قرآنی امثال کا ایک مقصد عقل بشر کو پروان چڑھانا ہے۔ یہ امثال سادہ انداز میں نہایت عمیق و گہرے نکات کی حامل ہوتی ہیں اور قاری کو داستان و قصہ کے اطراف و جوانب کے بارے میں غور و فکر کرنے پر ابھارتی ہیں: وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔[49] یعنی: "اور یہ امثال ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔" علاوہ بریں عام لوگوں کو اہل فکر و نظر اور عالم بننے کی ترغیب دلاتی ہیں: وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ[50] یعنی: "اور یہ مثالیں ہم تمام عالم انسانیت کے لیے بیان کر رہے ہیں، لیکن انہیں صاحبان علم کے علاوہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔"

آیت اللہ جوادی آملی لکھتے ہیں: "مثل، کی خصوصیت یہ ہے کہ عالی مرتبہ عقلی معارف کو متخیل و محسوس سطح کے مطالب تک تنزل دیتی ہے، تاکہ اسے ہر سطح کے فہم وادراک تک پہنچائے۔ مثل اس رسی کی مانند ہے، جسے معرفت کی بلندیوں سے عوام الناس کے ادراکات کی طرف آویزاں کیا جائے تاکہ بلند پایہ معارف کو ان کی اصلی صورت میں ادراک کرنے سے عاجز افراد، اس مثل کو تھام کر اپنی طاقت کے مطابق اوپر جائیں اور اپنی حد تک اسے ادراک کر سکیں۔ انسان جتنا زیادہ سادہ فکر کا مالک ہو گا، اتنا زیادہ مثل کا محتاج ہو گا اور جس قدر گہرے معارف سے مانوس ہوتا جائے گا، اتنی مقدار میں مثل کی احتیاج کمتر ہوتی جائے گی۔ قرآن کریم نے جس مورد میں بھی مثال دی ہے، اس سے پہلے یا بعد میں عقلی استدلال ضرور پیش کیا ہے۔ جیسے توحید ربوبی کے عالی مطلب کو برہان تمانع اور قیاس استثنائی کے ذریعے بیان فرمایا: لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا...۔ [51] یعنی: "اگر اس آسمان و زمین میں اللہ کے سوا خدا ہوتا تو دونوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔" بعض دفعہ اسی مطلب کو مثال کے سادہ قالب میں ڈھال کر بیان فرمایا: ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا...۔ [52] یعنی: "اللہ ایک شخص (غلام) کی مثال بیان کرتا ہے جس (کی ملکیت میں کئی بد خو (مالکان) شریک ہیں اور ایک (دوسرا) مرد (غلام) ہے جس کا صرف ایک ہی آقا ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں ...۔" اس عقلی برہان اور اس حسی مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کائنات کا نظام دو ہستیوں کے ذریعے چلایا جائے تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ مثال بیان کرنے میں قرآن کا ہدف و مقصد یہ ہے کہ سادہ اذہان، مثال کے سہارے سے حقیقی مطلب تک رسائی حاصل کرلیں۔ بنابریں قرآن تاکید کرتا ہے کہ انسان کو ہمیشہ معرفت کے نچلے درجوں میں موجود نہیں رہنا چاہیے، بلکہ بلند پروازی کے لیے مثل کو وسیلہ بنا کر معرفت کی معراج تک پہنچنا چاہیے، لیکن اگر کوئی مثل کی رسی پر ہی توقف کرلے اور پرواز نہ کرے تو یہ اس کوہ پیا کی مانند ہے، جو پہاڑ کی چوٹی سے لٹکائی گئی طناب کو پکڑ لے، لیکن چوٹی کی جانب سفر نہ کرے۔ لہٰذا خدا نے فرمایا: وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ۔ یعنی اگر کوئی شخص مثل کے ذریعے سے حقیقت ممثل تک نہ پہنچے، وہ عاقل ہی نہیں۔ [53]

۴۔ ضدی اور ہٹ دھرم قسم کے حق ناشناس افراد کو لاجواب کرنا

مثال، ضدی اور ہٹ دھرم انسان کو خاموش کر دیتی ہے۔ اکثر اوقات بڑے سے بڑے عقلی استدلال بھی ضدی قسم کے فرد کو خاموش کرنے میں کافی نہیں ہوتے اور وہ اسی طرح اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہتا ہے، لیکن جب یہی مسئلہ ایک مثال کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا جائے تو اس کے تمام راستے اس طرح بند ہو جاتے ہیں کہ راہ فرار

اختیار نہیں کر سکتا اور ہر قسم کے بہانے کا موقع اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔[54] ذیل میں چند قرآنی مثالوں سے اس مطلب کی وضاحت کرتے ہیں:

الف۔ حضرت عیسی ـ کی خلقت کے مورد میں بعض یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کیسے ممکن ہے ایک انسان بغیر باپ کے پیدا ہو؟ اللہ تعالیٰ نے اس اہم مسئلہ کی وضاحت میں ایک مثال پیش کرکے ان کو لاجواب کر دیا: إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِندَ اللّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثِمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ۔[55] یعنی: "بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اس نے پہلے اسے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے حکم دیا ہو جا اور وہ ہو گیا۔" ملاحظہ کیجئے! جتنی دلیلیں دی جاتیں کہ اللہ قادر ہے اور اس کے لیے یہ کام آسان ہے، پھر بھی ضدی قسم کے افراد مختلف بہانوں سے انہیں رد کر دیتے، لیکن جب یہ کہا گیا کہ تم اتنا تو قبول کرتے ہو کہ سب سے پہلے انسان حضرت آدم (ع) کو خدا نے بغیر ماں باپ کے پیدا کیا ہے تو پھر یہ بھی قبول کر لو کہ وہی خالق جو بغیر ماں باپ کے خلق کر سکتا ہے، ماں کی موجودگی میں صرف باپ کے بغیر خلق کرنا تو اس کے لیے زیادہ آسان ہے۔

ب۔ منافقوں کے بارے میں قرآن کی تعبیر بڑی خوب صورت ہے۔ انہیں ایسے مسافروں سے تشبیہ دیتا ہے کہ جو ایک تاریک رات میں جنگل و بیابان میں ہوں اور رعد و برق، بارش اور طوفان نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہو، ایسی عجیب حالت میں ہیں کہ کہیں جانے کو راستہ نہیں۔ چند لمحوں کے لیے روشنی میسر آئی، جونہی کسی جانب حرکت کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو فوراً برق خاموش ہو جاتی ہے، جس کی بنا پر ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا جاتا ہے اور پھر حیران و پریشان اسی بیابان میں سرگردان رہتے ہیں۔[56] کتنی واضح تشبیہ ہے، ایک منافقانہ چال کے مالک شخص کے لیے، جس کا ظاہر و باطن ایک جیسا نہیں ہوتا۔

ج۔ انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب کے لیے بڑی عمدہ مثال دی ہے کہ اگر صاف صاف کہا جاتا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو تاکہ کئی گنا اجر و ثواب کے مستحق بن سکو تو شاید ایک کثیر تعداد اس مفہوم کو نہ سمجھ پاتی، لیکن ایک زیبا قسم کی مثال کے پیرائے میں اس طرح بیان کیا کہ ہر شخص کے دل و دماغ میں انفاق کی اہمیت اثر کر گئی۔ خدا فرماتا ہے: مَّثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّئَةُ حَبَّةٍ وَاللّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ[57] یعنی: "جو لوگ اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے جس کی سات بالیاں اگ آئیں، جن میں سے ہر بالی کے اندر سو سو دانے ہوں اور اللہ جس (کے عمل) کو چاہتا ہے دگنا کر دیتا ہے، اللہ بڑا کشائش والا دانا ہے۔"

د۔ ریاکارانہ عمل غالباً بے نتیجہ ہوتا ہے، لیکن شاید یہ بات بہت سے لوگوں کے لیے سنگین ہوتی کہ کیسے ایک عمل بے سود ہو سکتا ہے۔ فرض کریں ایک ہسپتال اگرچہ دکھاوے کی نیت سے ہی کیوں نہ بنایا گیا ہو، کس طرح ممکن ہے بارگاہ رب العزت میں بے فائدہ ہو؟ لیکن یہی مطلب ایک مثال کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے تاکہ عام شخص بھی آسانی سے سمجھ سکے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تُبْطِلُواْ صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالأذَى كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلاَ يُؤْمِنُ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لاَّ يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُواْ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ[58] یعنی: "اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتلا کر اور ایذا دے کر اس شخص کی طرح برباد نہ کرو جو اپنا مال صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، پس اس کے خرچ کی مثال اس چٹان کی سی ہے، جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو، پھر اس پر زور کا مینہ برسے اور اسے صاف کر ڈالے (اس طرح یہ لوگ اپنے اعمال سے کچھ بھی اجر حاصل نہ کر سکیں گے اور اللہ کافروں کی رہنمائی نہیں کرتا۔"

اس مثال کے ذریعے یہ سمجھا دیا کہ دکھاوے کا خرچ کرنا ایک قسم کی سودے بازی ہے، جس کا عوض شہرت اور نام و نمود ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ انفاق، جذبہ ایثار اور انسانی قدروں پر مبنی ہو، جس میں حسن فعلی کے ساتھ حسن فاعلی بھی ہو۔ یعنی اس نیک عمل کے پیچھے ایک پاک اور مقدس جذبہ بھی کار فرما ہونا چاہے۔ ریاکارانہ انفاق کرنے والا لوگوں سے توقعات رکھتا ہے۔ ان کو اپنا مقروض و احسان مند سمجھتا ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ عمل اچھا لگتا ہے، لیکن اس ایذا رسانی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس عمل کے پیچھے ایک بد خصلت، پتھر جیسا انسان چھپا ہوا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1۔ سورہ حشر ۵۹: ۲۱

2۔ یونس ۱۰: ۲۴

3۔ جوادی، ذیشان حیدر۔ انوار القرآن ص ۴۵۵

4۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱

5۔ مجلسی، محمد باقر۔ بحار الانور ج ۲۴، ص ۳۰۵

6۔ ابن منظور۔ لسان العرب ج ۱۱، ص ۴۰

7۔ صغیر، محمد حسین۔ الصورۃ الفنیۃ فی المثل القرآنی ۴۳، ۴۲۹

8۔ سبحانی، جعفر۔ مثال ہای آموزندہ قرآن۔ ص۹
9۔ روم ۳۰: ۲۷
10۔ رعد ۱۳: ۶
11۔ زرکشی۔ البرہان فی علوم القرآن ج۱، ص۲۹۰
12۔ فتح ۴۸: ۲۹
13۔ محمد ۴۷: ۱۵
14۔ سبحانی، جعفر۔ مثال ہای آموزندہ قرآن ص ۱۲
15۔ نور ۲۴: ۳۵
16۔ نحل ۱۶: ۱۱۲
17۔ یٰسین ۳۲: ۱۳
18۔ تحریم ۶۶: ۱۰
19۔ اعراف ۷: ۱۶۰
20۔ رعد: ۱۷
21۔ سبحانی، جعفر۔ مثال ہای آموزندہ قرآن، ص ۳۷
22۔ ہود ۱۱: ۲۴
23۔ ابراہیم ۱۴: ۱۸
24۔ بقرہ ۲: ۱۹
25۔ اعراف ۷: ۴۰
26۔ سبحانی، جعفر۔ مثال ہای آموزندہ۔ ص۲۹
27۔ یوسف ۱۲: ۱۱۱
28۔ تحریم ۶۶: ۱۱
29۔ یونس ۱۰: ۲۴
30۔ سبحانی، جعفر۔ مثال ہای آموزندہ قرآن۔ ص۳۰
31۔ زرکشی۔ البرہان فی علوم القران ج ۲، ص۱۱۸
32۔ سیوطی، عبدالرحمٰن۔ الاتقان ج ۲، ص ۱۰۴۲
33۔ آل عمران ۳: ۹۲
34۔ یوسف ۱۲: ۵۱
35۔ یوسف ۱۲: ۴۱
36۔ حکمت، علی اصغر۔ امثال قرآن، نقل از مثال ہای آموزندہ قرآن۔ ص۵۱
37۔ صغیر، محمد حسین۔ الصورۃ الفنیہ فی المثل القرآنی۔ ص ۳۸۷

38۔ نحل ۱۶: ۷۶

39۔ ابراہیم ۱۴: ۲۵

40۔ یس ۳۶: ۱۳

41۔ حج ۲۲: ۷۳

42۔ عزیز، فہیم۔ علم التفسیر۔ ص ۳۶۹

43۔ فیاض، محمد جابر۔ الامثال فی القرآن الکریم۔ ص ۲۲۹

44۔ بقرہ ۲: ۲۶

45۔ حج ۲۲: ۷۳

46۔ عنکبوت ۲۹: ۴۱

47۔ مکارم شیرازی، ناصر۔ تفسیر نمونہ ج ۱۔ ص ۱۸۵

48۔ مجلسی، محمد باقر۔ بحار الانوار۔ ج ۸ ص ۴۲ نقل از مجمع البیان آیہ کے ذیل میں

49۔ حشر ۵۹: ۲۱

50۔ عنکبوت ۲۹: ۴۳

51۔ انبیاء ۲۱: ۲۲

52۔ زمر ۳۹: ۲۹

53۔ جوادی آملی، عبداللہ۔ تسنیم ج ۱، ص ۳۲۶۔۳۲۸ (خلاصہ)

54۔ مکارم شیرازی، ناصر۔ تفسیر نمونہ ج ۱۰، ص ۱۷۳

55۔ آل عمران ۳: ۵۹

56۔ بقرہ ۲: ۲۰

57۔ بقرہ ۲: ۲۶۱

58۔ بقرہ ۲: ۲۶۴